QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com
الأمیر

تحریکِ استشراق کے اسباب و مقاصد؛ ایک تجزیاتی مطالعہ

An analytical study of the Aims and Motivations of the Orientalism Movement

Mian Muhammad Ali Awais
Ph.D. Scholar, Department of Arabic and Islamic Studies, The University of Faisalabad.
Email: mianaliawais154@gmail.com
Prof. Dr. Matloob Ahmad
Professor/HOD, Department of Arabic and Islamic Studies, The University of Faisalabad.
Email: hod.is@tuf.edu.pk

The Orientalism movement, driven by Western fascination, aimed to reject and convert Muslims to Christianity through the construction of hegemonic narratives and stereotypes. Motivated by religious superiority and colonial expansion, Orientalism perpetuated power imbalances while shaping global perceptions and identities. Understanding its aims unveils its role in the complex interplay of cultural, political, and religious dynamics. This study delves into how these narratives influenced policies and literature of the time, highlighting the lasting impact of Orientalist discourse on modern-day perspectives and the ongoing challenges it presents in fostering cultural understanding and equality.

Keywords: Muslim, Orientalism, Aims, Motivations, Identities.

DOAJ OPEN GLOBAL TRUSTED
Academic Resource Index ResearchBib
Journament
CiteFactor Academic Scientific Journals
اشاریہ اردو جرائد
Eoi Electronic Object Identifier
I2OR
Cosmos

تعارف:

مستشرقین اپنی کتابوں میں بالعموم اسلام کی نہایت غلط تصویر اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کو ایک افسانوی کردار بنا کر پیش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم کو (نعوذ باللہ) ایک لغو کتاب سمجھتے اور ہر قابل تصور برائی اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ بات کتنی عجیب ہے کہ جن موضوعات کی طرف کسی اور کو نسبت دیناوہ عموماً مغرب کی توہین سمجھتے ہیں، ان موضوعات پر انہوں نے کتابوں کے ڈھیر لگا دیے ہیں، جن سے یورپ اور امریکا کی لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔ اگر اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کا تصور اتنا ہی گھناؤنا ہے، جتنا وہ بنا کر پیش کرتے ہیں تو انہوں نے ان پر لکھنے اور تحقیق و تدوین میں اتنا وقت اور سرمایہ کیوں صرف کیا! بلاشبہ مستشرقین کے ذریعے مسلمانوں کا سرمایہ علم محفوظ ہوا، جس پر مسلمان ان کا احسان بھی مانتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کے علمی ورثے کو لوٹا اور اپنے اسلام مخالف عزائم کی غرض سے اس سے اعتنا کیا۔ ہم یہاں یہ جائزہ لینے

کی کوشش کریں گے کہ اہل مغرب کی مشرق اور اسلام پر اتنی توجہ کے پیچھے کیا مقاصد کارفرما ہیں ؟اور ان کے حصول کے لیے وہ کیا طریقے اختیار کرتے ہیں ؟ تحریک استشراق میں چوں کہ مختلف ممالک سے وابستہ لوگ شامل ہیں، نیز ان کے کئی طبقات ہیں اور مفادات بھی مختلف ہیں۔ لہذا ہر طبقے کا کام دوسرے سے مختلف ہے، اس لیے جن مقاصد و اہداف کے تحت پر مشرقی تہذیبوں خصوصا اسلام پر توجہ دیتے ہیں، وہ اہداف و مقاصد بھی متعدد اور مختلف ہیں۔

تحریک استشراق کے اسباب و محرکات

تحریک استشراق کے اسباب و محرکات کو کئی اعتبارات سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ہم اس تحریک کے چند ایک اہم محرکات کا مختصر جائزہ پیش کر رہے ہیں:

1۔ طبعی محرکات (Natural Motives)

دیگر اقوام کے مذاہب، افکار، معاشرت اور اقتصادیات کے بارے میں جاننے کی ایک فطری خواہش تقریباً ہر انسان میں موجود ہے۔ تحریک استشراق کے محرکات میں سے ایک اہم محرک یہی فطری خواہش تھی کہ جس نے اہل مغرب کو مشرق، مشرقی تہذیب اور مشرقی علوم وفنون کے بارے میں جاننے کے لیے ابھارا۔[1]

استشراق کی اہم محرک میں یہ فطری خواہش تھی کہ اہل مغرب کو مشرق کی تہذیب اور علوم وفنون کے بارے میں جاننے کی طرف مائل کیا۔

2۔ تاریخی محرکات (Historical Motives)

مشرق و مغرب کے باہمی تعلقات زمانہ قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ ان کے مابین وقتاً فوقتاً فکری مکالمہ اور عسکری مہم جوئی ہوتی رہی ہے۔ یہ فکری و عسکری نزاع بھی اہل مغرب کے لیے ایک اہم محرک بنا ہے کہ وہ مشرق کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانکاری حاصل کریں یا اس کے لیے کوشش کریں۔[2]

مشرق اور مغرب کے درمیان فکری اور عسکری مقابلے کی وجہ سے اہل مغرب کو مشرق کے بارے میں زیادہ جاننے کی خواہش ہوتی رہی۔

3۔ دینی محرکات (Religious Motives)

چرچ اور اس کے متولیوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام کا چہرہ مسخ کرنے کے لیے اور اس سے متعلق حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے لیے مشرقی علوم وفنون کی طرف توجہ دی۔ علاوہ ازیں استشراق کے دینی محرکات میں عیسائی عوام کی اسلام کی طرف رغبت کو روکنا اور مسلمانوں کو عیسائی بنانا بھی شامل تھا۔ اسی طرح مصادر اسلامیہ یعنی کتاب و سنت میں تشکیک پیدا کرنے میں یہودی مستشرقین کی ایک جماعت نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان یہودی مستشرقین میں گولڈ زیہر Goldziher (۱۸۵۰۔۱۹۲۱ء)، نولڈیکے Theodor Noldeke (۱۸۳۶۔۱۹۳۰ء)، رچرڈ بیل Richard Bell (۱۸۷۶۔۱۹۵۲ء)، ریجس بلیشے Regis Blachere (۱۹۰۰۔۱۹۷۳ء) اور ویلہاؤزن Wellhausen (۱۸۴۴۔۱۹۱۸ء) وغیرہ شامل ہیں۔

---

[1] Ārā’ al-mustashrīqīn ḥaul al-qurān al-karīm wa tasīrah, 29

[2] Ārā’ al-mustashrīqīn ḥaul al-qurān al-karīm wa tasīrah, 30

4۔استعماری محرکات (Imperialistic Motives)

انیسویں صدی عیسوی میں تقریباً تمام عالم اسلام مغربی استعمار کا حصہ بن گیا۔ مشرق پر اپنے غلبہ کو برقرار رکھنے کے لیے حاکم قوتوں نے مشرق کے علوم وفنون اور تاریخ ولغات کی طرف خصوصی توجہ دی تاکہ غلام قوم کی نفسیات وزبان جانتے ہوئے اس سے بہتر انداز میں خدمت لی جاسکے۔ جرمن مستشرق کارل ہائنرش بیکا Carl Heinrich Becker ۱۸۷۶۔ ۱۹۳۳ء) افریقہ میں جرمن استعمار کی خاطر ۱۸۸۵ء۔۱۸۸۶ء میں خدمات سرانجام دیتا رہا۔ مستشرق کرسٹیان Christiaan Snouck Hurgronje۱۸۵۷۔۱۹۳۶ء)۱۸۸۵ء) میں ہالینڈ کی حکومت کی طرف سے مکہ میں عبدالغفار کے نام سے اپنی خدمات پیش کرتا رہا اور بعدازاں انڈونیشیا میں بھی رہا۔[3]

5۔علمی محرکات (Academic Motives)

مستشرقین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے مشرقی علوم کی طرف متوجہ ہوئی۔ یہ اگرچہ اپنے کام میں تو مخلص ہیں لیکن اپنی تحقیقات کے نتائج میں انہوں نے بھی بعض مقامات پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ایسا یا تو عربی زبان میں رسوخ نہ ہونے کے سبب سے ہوا یا پھر مغربی معاشروں میں اسلام کے بارے میں رائج عام تصورات سے متاثر ہونے کے سبب سے۔ ان میں فرانسیسی مستشرق موریس بکائے (Maurice Bucaille۱۹۲۰۔۱۹۹۸ء) اور عبدالکریم جرمانس Gyula)Germanus ۱۸۸۴۔۱۹۷۹ء) وغیرہ شامل ہیں۔[4]

مشرق اور مغرب کے درمیان فکری اور عسکری مقابلے کی وجہ سے اہل مغرب کو مشرق کے بارے میں زیادہ جاننے کی خواہش ہوتی رہی۔

تحریک استشراق کے اہداف مقاصد

ہم مستشرقین کے اہداف ومقاصد کو حسب ذیل جن عنوانات کے تحت بیان کرسکتے ہیں:

1۔دین اسلام کی تعلیمات اور تصویر کو مسخ کرنا

جرمن مستشرق روڈولف روڈی پارٹ Rudolf Rudi Paret(۱۹۰۱۔۱۹۸۳ء) کا کہنا ہے کہ معاصر استشراقی جدوجہد کا مقصود دین اسلام کو باطل دین ثابت کرنا اور مسلمانوں کو دین مسیحیت کی طرف راغب کرنا ہے۔[5]

روڈی پارٹ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ازمنہ وسطیٰ (Middle Ages) میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد علوم اسلامیہ کی طرف اس لیے متوجہ ہوئی کہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مسخ کرسکے، کیونکہ ان کا یہ ذہن بن چکا ہوا تھا کہ جو دین بھی مسیحیت کے خلاف ہے، اس میں کوئی خیر نہیں ہوسکتی۔[6]

[3]Ārā' al-mustashrīqīn ḥaul al-qurān al-karīm wa tasīrah, 35
[4]Ārā' al-mustashrīqīn ḥaul al-qurān al-karīm wa tasīrah, 36-37
[5] Istashrāq isrā'īlī fī al-maṣadir al-'ibrīyah, 24
[6] Istashrāq bain al-ḥaqīqah wa al-tadhlīl, 28,29

روڈی پارٹ کا یہ کہنا ہے کہ وسطی عصر میں کچھ عیسائی علماء کو لگا کہ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے ہو سکتا ہے کہ اسلام کے دینی اصول اور پیغمبر کی شخصیت مسیحیت کے موازنہ میں غیر قابل قبول ہوں۔ یعنی ان کا خیال تھا کہ جو دین اسلام میں ہے، وہ مسیحیت کے عقائد کے مخالف ہیں اور اس لیے انہیں اسلام کا مطالعہ اپنے عقیدے کی خلاف ورزی تصور ہو سکتی تھی۔

2۔اصلاحِ مذہب (Protestant Reformation)

مسلم مفکر ابن رشد (Avicenna ۹۸۰-۱۰۳۷ء) کے فلسفے کے زیر اثر اہل مغرب میں ہی ایک بڑی تعداد مصلحین (Reformists) کی پیدا ہو چکی تھی جنہوں نے اپنے مذہب کی اصلاح کے لیے مسلمانوں کے علوم وفنون کی طرف توجہ دی۔ ایسے مصلحین کو عموماً مسیحی دنیا میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مارٹن لوتھر Martin Luther (۱۴۸۳-۱۵۴۶ء) وغیرہ پر اہل روم نے یہ تہمت لگائی کہ وہ مسیحی دین کو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تبدیل کرنا چاہتا ہے۔[7]

ابن رشد کے فلسفے کے اثرات کی وجہ سے اہل مغرب میں مصلحین کی پیدائش ہوئی جو اپنے مذہب کی اصلاح کے لیے مسلمانوں کے علوم وفنون کی طرف توجہ دیتے تھے۔ ان مصلحین کو عموماً مسیحی دنیا میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے مارٹن لوتھر اور دوسرے اہل رومی مسیحی لوگوں نے ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ مسیحی دین کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی طرح بدلنا چاہتے ہیں۔

3۔اسلام کے غلبے کا خوف (Islam Phobia)

مغرب میں اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا اور عیسائی دنیا کو مسلمان ہونے سے بچانا بھی تحریک استشراق کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس مقصد کے تحت مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اپنی تحقیقات کے ذریعے مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں اہل یورپ کے دلوں میں نفرت، بغض اور تعصب کو جنم دیا۔ [8]

الجزائر میں متعین فرانسیسی گورنر کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم ان کے وجود سے قرآن مجید کو کھرچ ڈالیں اور ان کی زبانوں سے عربی زبان کو اکھیڑ دیں تو اسی صورت میں ہم صحیح معنوں میں ان سے بدلہ لے سکتے ہیں۔

معاصر امریکی مستشرق برنارڈ لویس کو امریکی سیاست کا وفادار مستشرق مانا جاتا ہے۔ یہ صاحب عالم اسلام کو اس وقت مغرب اور مغربی تہذیب کے لیے ایک بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں۔ [9]

سابقہ برطانوی وزیر اعظم اور سیاسی رہنما ولیم گلاڈسٹن (William Ewart Gladstone 1809-1898) نے ۱۸۸۲ء میں کہا تھا کہ جب تک قرآن موجود ہے، یورپ کے لیے مشرق کو مغلوب کرنا ممکن نہیں ہے، بلکہ قرآن کی موجودگی میں یورپ کے لیے اپنے آپ کو حالت امن میں محسوس کرنا بھی درست نہیں ہے۔[10]

---

[7] Fādhil muḥammad a'wād al-kabīsī, al-mustashrīqōn al-mua'āṣīrōn (Urdan: dar al-furqān,2005), 26,27

[8] Fādhil muḥammad a'wād al-kabīsī, al-mustashrīqōn al-mua'āṣīrōn, 59

[9] Fādhil muḥammad a'wād al-kabīsī, al-mustashrīqōn al-mua'āṣīrōn, 74

[10] Istashrāq bain al-ḥaqīqah wa al-tadhlīl, 58,59

4۔ مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج

مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے ان کے دین وعقائد میں تشکیک پیدا کرنا بھی تحریک استشراق کا ایک اہم مقصد ہے۔ استاذ عبد الرحمن میدانی کا کہنا ہے کہ یورپ کی اکثر یونیورسٹیوں میں علومِ اسلامیہ اور علومِ عربیہ کا تعلیمی نصاب، منہج اور طریق تدریس طے کرنے والے متعصب مستشرقین یا تنصیری (Evangelist) ہیں۔ [11]

جرمن مستشرق یوہن فک Johann Fuck(۱۸۹۴۔۱۹۷۴ء) نے لکھا ہے کہ استشراق محض کوئی علمی تحریک نہیں ہے بلکہ اس کا مقصود اسلام کا رد اور مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج ہے۔[12]

جرمن مستشرق یوہن فک نے کہنا ہے کہ استشراق کا حقیقی مقصد اسلام کو ناقابل قبول قرار دینا اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی تشویش دینا ہے۔

5۔ دینی و مذہبی اہداف

عبرانی زبان ایک زندہ زبان کے طور پر کہیں رائج نہ تھی اور عربی اور عبرانی زبانیں ایک دوسرے کے بہت قریب تھیں، لہذا عبرانی جاننے کے لیے عربی سیکھنا ضروری تھا۔ چنانچہ یورپ اور دنیائے عیسائیت کے طول و عرض میں ایسے اداروں کا جال بچھ گیا، جن میں عربی زبان کی تدریس کا بندوبست تھا۔ کتاب مقدس کی اصلاح اور بائبل کے بیانات کی تفسیر کے سلسلے میں ممالک اسلامیہ کے حالات کا معروضی جائزہ لینے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو اس مقصد کے لیے ممالک اسلامیہ میں باقاعدہ مہمیں بھیجی گئیں۔ ان مہمات کا مقصد مشرقی علاقوں میں ان آثار قدیمہ کو تلاش کرنا تھا جن کا ذکر بائبل میں ہے۔ لیکن ان مہوں اور آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے جو نتائج ظاہر ہوئے، وہ انتہائی حیران کن ہیں۔ معروف جریدے ٹائم (Time) میں "Are the Bible stories True"? کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیائے بائبل کی حیات و وجود اور خروج ایسے تاریخی واقعات سے متعلق سوالات کھڑے کر دیے گئے، یہ باور کرایا گیا کہ ان بزرگوں سے متعلق واقعات اور خروج کی کہانی کی نوعیت افسانوی ہے۔ مثلاً کہا گیا؟

> "... archaeologists are always seeking new evidence that might help resolve some still-unanswered questions: Did Moses really exist? Did the Exodus happen"? [13]

> "ماہرین آثار قدیمہ ہمیشہ نئی سے نئی شہادت کی تلاش میں ہیں، جو ان سوالات کا جواب فراہم کر سکے، جن کا ابھی تک جواب نہیں مل سکا: جیسے کیا موسیٰ واقعی ایک تاریخی وجود ہیں؟ کیا واقعی خروج ہوا؟"

اس مضمون کے مطابق تو ماہرین کو ساری بائبل خطرے میں نظر آتی ہے۔ مضمون کے آخر میں باور کرایا گیا ہے کہ اگر بائبل کی کچھ کہانیاں غیر تاریخی ثابت ہو جائیں تو کوئی زیادہ خطرے کی بات نہیں، ہاں اگر ساری تاریخ بائبل ہی غلط ثابت ہو جائے تو ہم اپنی روایت کھو دیں گے:

---

[11] A'bdul raḥmān al-maydānī, ājinḥah al-makar al-thalāthah (Damishq: dar al-qalam), 150

[12] Istashrāq isrā'īlī fī al-maṣadir al-'ibrīyah, 35

[13] Michael D Lemonik, "Are the Bible stories True?" Times, Sunday, June 24 ,2011Accessed, July 4, 2015.

> "To suggest that many things in the Bible are not historical is not too serious. But to lose biblical history altogether is to lose our tradition." [14]

ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جن لوگوں کا اعتماد آثارِ قدیمہ کی تحقیقات پر ہے وہ ان حقائق کو بھی ماننے کے لیے تیار نہیں، جن پر تمام الہامی مذاہب صدیوں سے متفق چلے آرہے ہیں۔ لیکن جو لوگ بائبل کے کسی بیان پر تنقیدی نظر ڈالنے کے روادار نہیں ان کی مذکورہ تحقیق کی مدد سے مشرق کے چپے چپے پر ایسے آثار نظر آتے ہیں جن سے بائبل کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ ڈاکٹر محمد عبد المتعال الجبری (1926ء-1995ء) نے علامہ اسد (1909ء- 1992ء) کے حوالے سے لکھا ہے کہ سولھویں صدی سے جتنے لوگ مغرب سے مشرق آتے ہیں انہیں یہاں تورات کے حادثات واقعات کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اہرام مصر کو وہ گندم کے گودام سمجھتے ہیں جنہیں یوسف بن اسرائیل نے تعمیر کیا تھا۔ ھلیو بولیس کی شکل میں انہیں وہ خفیہ مستقر نظر آتا ہے، جہاں مقدس خاندان آرام فرما ہوا تھا۔ سمندر کے کنارے بکھری ہوئی ہڈیاں انہیں فرعون، اور اس کے لشکریوں کی ہڈیاں معلوم ہوتی ہیں جو اسرائیلیوں سے مقابلے کے وقت یہاں ہلاک ہوئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اسرائیلیوں کو اپنے آباء واجداد کی نشانیاں مصر و عرب سے آگے بھی نظر آتی ہیں۔ 1472ء میں وینس کی ایک مہم کو ساسانی بادشاہ شاپور اول (Shapur215ء- 270ء) کی شکل میں تورات کا شمشون (Samson) نظر آ گیا۔ [15]

اس تبشیری کانفرنس کے ایجنڈے سے پتہ چلتا ہے کہ مبشرین کو اسلام اور مسلمانوں کی کتنی فکر تھی اور ان کے متعلق ان کی سوچ اور کام کا انداز کیا تھا، اس میں اہل اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کے لوگوں میں عیسائیت کی تبلیغ کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ جس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس سلسلے میں ان کا ہدف خاص طور طور پر اسلام اور مسلمان ہی تھے۔ ڈاکٹر الجبری نے لکھا ہے کہ سینی گال کے فرانسیسی مستعمرین لوگوں کو وسائل حیات سے محروم کرتے تھے، پھر غریب سینی گالیوں کو غذائی اشیاء مثلاً چاول، گئی اور آٹے کی شکل میں امداد پیش کرتے تھے۔ مگر امداد کی شرط یہ تھی کہ ہر صاحب حاجت خاندان اپنے ایک پندرہ سالہ بچے کو کلیسا کے حوالے کرے، تاکہ کلیسا اسے اپنے مدارس میں تعلیم دے۔ ساتھ یہ بھی وعدہ لیا جاتا تھا کہ اگر کسی خاندان نے بچے کی تعلیم سے قبل اس کی واپسی کا مطالبہ کیا، تو اس نے جتنی امداد حاصل کی ہوگی سب لوٹانا پڑے گی۔ [16]

عیسائیت کی تبلیغ واشاعت اور اس ضمن میں مشرقی علاقوں اور مسلم ممالک میں استشراقی و تبشیری کوششوں اور ان کے مغرب اور مسیحیت کے حق میں دورس نتائج سے اہل استشراق و تبشیر کو خصوصی دلچسپی رہی ہے۔ تاریخ سے واضح ہے کہ سترھویں صدی کے آغاز سے کلیسا اور مغربی حکومتوں کی مدد و معاونت کے ذریعے مغرب سے عیسائی مشن مسلم ممالک وامصار میں آنے لگے تھے۔ ان مشنوں کے کام اور حکمت عملی کے خطوط سے متعلق مواد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مختلف ممالک اور فرقوں وغیرہ سے متعلق ہونے کی بنا پر مختلف اور متنوع مقاصد و اہداف کے تحت کام کرتے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ انہوں نے مسلم طلبہ میں مسیحیت پھیلانے کی غرض سے سکول کھولے، جہاں محسوس کیا کہ مسلمان اپنے بچوں کو عیسائی سکولوں میں بھیجنے سے ہچکچاتے ہیں،

---

[14] Michael D Lemonik," Are the Bible stories True?" Time Sunday June 24, 2011, Accessed, July 4, 2015.

[15] Al-jabrī, al-istashrāq wajah li al-istaʿmār al-fikrī, 13

[16] Al-jabrī, al-istashrāq wajah li al-istaʿmār al-fikrī, 158

وہاں سیکولر سکول قائم کر کے اپنے مقاصد کے لیے کام کیا۔ یہ کوششیں بھی کی گئیں کہ مسلمانوں کے ذہنوں سے غیر مطلوب تصورات و عقائد نکالنے کے لیے مغربی جامعات سے ایسے مسلمانوں کو ڈگریاں دے کر مبشر بنایا جائے، جو کمزور طبیعتوں اور منتشر شخصیتوں کے مالک ہوں، اور مشرق میں مغربی انداز کی سماجی تبدیلیوں کے لیے مغربی مبشرین کی مدد کر سکیں۔ مغربی جامعات کی ڈگریوں کی کشش کو مغربی مقاصد کے حصول کے لیے کام میں لانے کی حکمت عملی کو مدنظر رکھنا فوری خیال کیا گیا۔ [17]

مختلف ممالک اور آبادیوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے کام پر توجہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے لیے باقاعدہ ہدف مقرر کیے جاتے۔ مثلاً انڈونیشیا میں 1967ء میں منعقد ہونے والی ایک تبشیری کانفرنس میں ہدف مقرر کیا گیا کہ جزیرہ جاوا میں مسلمانوں کو بیس سال میں عیسائی بنایا جائے اور انڈونیشیا کے تیرہ کروڑ مسلمانوں کو پچاس سال میں دائرہ مسیحیت میں لایا جائے۔ [18]

مبشرین کے وہ ادارے جو دنیائے اسلام کے طول و عرض میں کام کر رہے تھے، انہیں منظم کرنے کی غرض سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر تنظیمیں بھی قائم ہوئیں، جو بہت بڑی تعداد میں اور وسیع دائرہ کار کی حامل تھیں۔ 1795ء میں لندن کی تبشیری کونسل وجود میں آئی۔ اس تنظیم کے نہج پر سکاٹ لینڈ، ہالینڈ، سویڈن، ناروے اور نیویارک وغیرہ میں بھی تنظیمیں قائم ہوئیں۔ 1885ء میں برطانیہ اور امریکا کے مسیحی نوجوانوں کی تنظیم قائم ہوئی، جس کے تحت مختلف علاقوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے رضاکاروں کی جمعیت وجود میں آئی۔ اس جمعیت کی طرف سے انجیل کی زیادہ سے زیادہ اشاعت پر زور دیا گیا۔ 1890ء میں جرمن تبشیری کونسل قائم ہوئی، جس کے تبشیری مشن میں دیگر مقاصد کے ساتھ ساتھ ترکی خلافت کو ختم کر کے اسرائیل میں یہودی ریاست قائم کرنا تھا۔ 1895ء میں عالمی تنظیم برائے عیسائی طلبہ اتحاد قائم ہوئی۔ اس تنظیم میں چالیس علاقوں یا اقوام سے تعلق رکھنے والے تقریباً ایک لاکھ مسیحی اساتذہ اور طلبہ نے شمولیت اختیار کی۔ 1902ء میں نوجوانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی غرض سے ایک تنظیم وجود میں آئی، اس نے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں مبشرین کی تبلیغ عیسائیت کی قبولیت کی راہ ہموار کرنے کی کوشش کی۔ 1907ء میں ایک تنظیم عمر رسیدہ لوگوں میں تبلیغ عیسائیت کی غرض سے قائم ہوئی اس نوع کی ہزاروں تنظیمیں ہیں، جو اب بھی مسلم ممالک میں اپنے اپنے طور پر مصروف عمل ہیں۔ [19]

6۔ سیاسی و استعماری اہداف

ایڈورڈ ڈبلیو سعید نے تحریک استشراق کے اہتمام وانضباط کو اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں اہل مغرب کے سیاسی مقاصد کے حصول کی کوششوں کا شاخسانہ قرار دیا ہے۔ [20]

اہل مغرب نے مسلمانوں کے ممالک پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھا، تو انہوں نے صدیوں کے تلخ تجربات کی بناء پر تلوار کے استعمال کو خلاف مصلحت سمجھا۔ انہوں نے انسانوں کی ایسی جماعتیں تیار کیں، جنہوں نے علم و محبت اور خدمت انسانیت کے حسین جائے زیب تن کر رکھے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ جب عملی طور پر اہل مغرب ان ممالک پر اپنا سیاسی تسلط قائم کرنے کے لئے آگے بڑھیں، تو ان ممالک کے شہریوں کی طرف سے کسی قسم کے مزاحمت کا امکان نہ ہو۔ یورپی طاقتوں ہالینڈ، فرانس اور انگلستان نے

---

[17] Al-duhān, qawī al-shar al-mutakhālifah, 100
[18] Al-jabrī, al-istashrāq wajah li al-istaʿmār al-fikrī, 101
[19] Al-jabrī, al-istashrāq wajah li al-istaʿmār al-fikrī, 101
[20] Edward, Orientalism, 201-204.

مستشرقین اور مبشرین کی بھرپور حوصلہ افزائی کی اور ان پر پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ مستشرقین اور مبشرین میں سے اکثر لوگ مغربی طاقتوں کے تنخواہ دار ملازم تھے۔ ان ملازمین نے دولت کے بل بوتے پر تعلیمی اداروں، ہسپتالوں، فلاحی اداروں، غریبوں اور محتاجوں کے لیے امدادی منصوبوں، اخبارات ورسائل، کتابوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوششیں کیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی(1914ء- 1999ء) کے مطابق مستشرقین عام طور پر مغربی حکومتوں اور اہل اقتدار کا ہراول دستہ رہے ہیں۔ وہ مغربی حکومتوں کو علمی کمک پہنچاتے ہیں۔ وہ مشرقی اقوام وممالک کے رسم ورواج، طبیعت ومزاج، طریق ماند وبود اور زبان وادب بلکہ جذبات ونفسیات کے متعلق صحیح اور تفصیلی معلومات فراہم کرتے ہیں، تاکہ ان پر مغرب کو حکومت کرنا آسان ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان حالات وتحریکات اور عقائد وخیالات کو "نوٹ" کرتے رہتے ہیں، جو ان حکومتوں کے لیے پریشانی اور دردسر کا باعث ہیں۔ اور ایسی ذہنی اور علمی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس میں ان حکومتوں کی مخالفت کا خیال ہی پیدا نہ ہونے پائے ۔ اس کے بالمقابل ان کی تہذیب کی عظمت اور ان کی خدمات کی ایسی وقعت پیدا ہو اور اپنے ملک کی اصلاح وترقی اور ان کو مغرب کے نقش قدم پر لے چلنے کا ایسا جذبہ پیدا ہو کہ ان مغربی حکومتوں کے ہٹ جانے پر بھی ان کا دینی اور تہذیبی اقتدار قائم رہے۔ اسی بناء پر مغربی حکومتوں نے مستشرقین کی اہمیت وافادیت کو بیداری طرح محسوس کیا اور ان کے سربراہوں نے ان کی پوری سرپرستی کی اور اس مقصد کے تحت مختلف ممالک کے مستشرقین عالم اسلام متعلق رسائل اور مجلات شائع کرتے رہے ہیں، جن میں عالم اسلام کے مسائل اور رجحانات پر مبصرانہ تبصرے اور ماہرانہ مضامین شائع ہوتے ہیں۔[21]

مستشرقین کے سیاسی مقاصد میں سے ایک مقصد" مسلم مسیحی اتحاد " قائم کرنا بھی ہے۔ اس دور میں اس مقصد کے حصول کے لیے بڑی منظم کوششیں جاری ہیں۔ عیسائیوں نے نہایت ذہین افراد کو اس کام پر لگایا ہوا ہے، جو مشرقی یونیورسٹیوں میں لیکچرز کی شکل میں مذکورہ مقصد کے لیے مسلمان نوجوانوں کو ذہنی طور پر تیار کرتے ہیں۔ یورپی اور امریکی حکومتیں اپنے سیاسی مقاصد میں معاونت کے لیے مسلم علماء اور سکالرز کو بھاری معاوضے ادا کرتی ہیں۔ اس حوالے سے جنوری 2006ء کے روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ قابل ذکر ہے۔ اس رپورٹ میں امریکی سے اخبار کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ مسلمان علماء ودانش وروں اور ممتاز شخصیات کو امریکی موقف اور پالیسیوں کی حمایت کے لیے معقول معاوضے ادا کرنے کا امریکی پروگرام نہایت خاموشی سے جاری ہے، اور اس سلسلے میں 2005ء کے اوائل میں امریکی حکمہ دفاع نے اپنے کنٹریکٹ لنکن گروپ نامی پبلک ریلیشن کمپنی سے کیا تھا کہ وہ عراق کے سنی علماء اور شخصیات میں سے ایسے علماء کی نشاندہی کرے جو عراق کے صوبہ الانبار سے تخریب کاری ختم کرانے اور عراقی انتخابات میں حصہ لینے کی حمایت میں رائے عامہ ہموار کرنے میں مدد دے سکیں۔ گروپ کے ایک وفد نے 2005ء کے اوائل میں کے ایک وفاقی وزیر سے بھی ملاقات کی تھی۔ امریکی اخبار نے انکشاف کیا ہے کہ اب بھی چار عراقی سنی علماء اور دانش ور امریکی فوج کے لیے تجاویز، مشورے اور حقائق پر مبنی رپورٹیں تیار کرنے کا کام کر رہے ہیں، جبکہ لیکن گروپ کے ایک اعلیٰ عہدے دار کا کہنا ہے کہ ان کی کمپنی مذہبی شخصیات، سرکاری حکام اور مقامی بزنس مینوں سے بھی ملاقاتیں کرکے مختلف مسائل پر تبادلہ خیال کرتی ہے۔ تاہم

---

[21]Abō al-ḥassan a'lī nidwī, muslim mumālik main islāmiyat aur maghrib kī kashmakash (Karāchī: majlis nashrīyāt islām, 1981), 256,257

انہوں نے تفصیلات بتانے سے گریز کیا ہے۔ کمپنی کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ گزشتہ مئی اور ستمبر کے دوران عراق کے صوبہ الانبار میں انفرمیشن آپریشن پر کئی لاکھ ڈالر خرچ کیے گئے۔[22]

ایک تحقیق کے مطابق امریکی وزارت خارجہ کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے مالی ذرائع اور افرادی وسائل کو استعمال کرتے ہوئے اس بات کے انتظامات کیے جائیں کہ مسلمانوں میں بنیاد پرست طبقے مقبولیت حاصل نہ کر سکیں۔ مسلم معاشروں کو جدت پسندی کے نام پر مغربی رنگ میں رنگ دیا جائے اور وہاں صرف وہی اسلام باقی رہ جائے جو امریکی و مغربی افکار و تصورات سے ہم آہنگ ہو، اس مقصد کے لیے رشوت کی گرم بازاری بھی ہے، ترغیبات کی فتنہ سامانی بھی اور آلات حرب وضرب کی دہشت ناکی بھی۔[23]

مستشرقین کی اکثریت چونکہ وزارت خارجہ کے محکموں سے وابستہ ہے اس لیے سیاسی طور پر انہیں اپنے منصوبے روبہ عمل لانے کے لیے خاطر خواہ سہولتیں میسر ہیں۔ باخبر لوگ ان کی ان سرگرمیوں سے بخوبی واقف ہیں، جو یہ لوگ عرب ممالک میں شبانہ روز جاری رکھے ہوئے ہیں۔[24]

ڈاکٹر سباعی نے عرب ممالک میں استشراقی حوالے سے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اہل مغرب کی سفارتی کاروائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عرب کے تمام ممالک کے سفارتی مراکز میں سیاسی پالیسی کے نام پر کسی خاص سیکرٹری یا کلچر اتاچی کا تقرر کر دیا جاتا اور تقرر کے ساتھ یہ شرط لگادی جاتی کہ وہ عربی زبان کا ماہر ہو، تاکہ اپنی علمی سند کی بناء پر اس ملک کے اہل قلم، صاحب فکر اور سیاسی عناصر سے اپنا رابطہ قائم کر کے اپنی سفارتی پالیسی کے تحت ان میں شورش و کشمکش کی تازہ روح اور نئی غذا فراہم کرتا رہے۔ ہماری آنکھیں اس کے سنگین نتائج دیکھ چکی ہیں۔ بہت سے عربی ممالک میں یہ کھیل کھیلا گیا، جو ان میں آپس کی تفریق اور ملکی انتشار کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ان سفرا نے جن میں سے بہت سے اب بھی اپنی جگہوں پر فائز ہیں۔ عربی اور اسلامی اصطلاح میں فرق کر کے ان کے ملکی دوستانہ تعلقات کو ٹھیس پہنچائی۔ انہوں نے خیر سگالی کے معصوم جذبے کے تحت عرب ممالک کی طاقت کو منتشر کیا، لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب انہوں نے اپنے ملک کے کرتا دھرتا لوگوں کو اپنا فلسفہ اچھی طرح سمجھا دیا اور ان پر ان کی عوامی سیاسی کمزوریوں کو واضح کر دیا اور جب اس ملک کے رہنے والوں نے فرقہ وارانہ رخوں کو سامراجی مصالح کی آڑ سے دیکھ لیا تھا۔ یہ لوگ عرب ممالک میں اس پرانی قومیت کو جسے گردش زمانہ نے صدیوں پہلے نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔ اہمیت دے کر زندہ کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اسلام سے پہلے عرب کی" قومی کہانیوں "کو یاد دلاتے ہیں۔ ان کی زبان، عقیدہ اور ملک کی ایکتا کو ابھارتے ہیں۔ نصف صدی گزر گئی مگر یہ لوگ مسلسل مصر میں فرعونیت، شام میں فیضیت اور عراق میں اشوریت کو دوبارہ زندگی دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ "اخوت وایکتا "کے نام پر گروہی طبقے جاگ اٹھیں۔ آزادی کی قوت سلب ہو اور ہماری ہی زمین پر ہماری قوت، آزادی اور سیاست دم توڑ دے اور عقیدہ و تاریخ میں انتشار پیدا ہو۔[25]

---

[22]Rōznāmah, jang (Lāhōr, 6 January, 2006)

[23]Dr Muḥammad amīn, rshan khayālī kī amrīkī asāmāt, nawaye waqt, 8-9 August,2006

[24]Khalīl aḥmad ḥamdī, muratab: niḍām islamī mashāhīr islām kī naḍar main (Lahōr: Islamic publications, 1963), 437

[25]Al-daktōr muḥammad muṣṭafā al-sabāʿī, al-mustashriqōn wa al-islām, tarjamah: maulānā sulymān shamsī nidwī (Lahōr: idārah islāmiyāt, 1982), 34-36

7۔ معاشی و اقتصادی اہداف

اہل مغرب خصوصاً اٹلی کے لوگوں کے مشرقی ممالک کے ساتھ قدیم تجارتی تعلقات تھے۔ اہل مشرق کے ساتھ اپنے تجارتی تعلقات کو اچھے طریقے سے طے کرنے کے لیے انہوں نے عربی زبان کی تحصیل پر خصوصی توجہ دی۔ یہاں تک کہ 1265ء میں تونس اور اٹلی کے شہر بیزا (پیسا) Pisa کے تاجروں کے مابین جو تجارتی معاہدہ ہوا، اسے عربی زبان میں لکھا گیا۔ وینس کو مشرق و مغرب کے درمیان ہمزہ وصل کی حیثیت حاصل تھی۔ یہاں کے لوگ عربی زبان بھی بولتے تھے۔ 1453ء میں سلطان محمد ثانی (سلطان محمد فاتح) نے قسطنطنیہ فتح کیا تو عربی کے ساتھ ساتھ ترکی کو بھی رائج کر دیا۔

اہل مشرق کے ساتھ اٹلی کی تجارت کو دیکھ کر فرانس بھی اس طرف متوجہ ہوا۔ فرانسیسیوں نے 1665ء میں مشرقی ممالک کے سروے کے لیے ایک مہم ترتیب دی۔ اس مہم کے ارکان کی اکثریت مختلف شعبوں کے علماء وماہرین پر مشتمل تھی۔ ان لوگوں نے فرانسیسیوں کے لیے ممالک شرقیہ کے خزانوں کا سراغ لگایا اور مختلف طریقوں سے انہیں حاصل کرنے کی کوشش کی۔ بعد میں اس قسم کی کوششوں میں انگلینڈ بھی شامل ہو گیا۔ انگلینڈ کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے برصغیر میں جو کردار ادا کیا تھا، وہی کردار دیگر ممالک اسلامیہ میں کئی مغربی کمپنیوں نے انجام دیا۔ جرمنی اور امریکا بھی اس میدان میں کود گئے، اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے ممالک اسلامیہ میں پھیلے ہوئے خام مال کے ذخیروں اور دوسری دولت کو مغرب میں منتقل کرنے کے لیے ریلوے لائنیں بچھائیں۔ نپولین (Napoleon Bonaparte 1769ء - 1821ء) نے مصر پر حملہ کیا تو وہ اپنے ساتھ علماء کا ایک لشکر بھی لایا تھا، تاکہ وہ ممالک مشرقیہ کی دولت کا کھوج لگائیں اور اس کو اہل مغرب کے لیے حاصل کرنے کی تدبیریں سوچیں۔ واسکوڈے گاما (Vasco da Gama 1469ء - 1524ء) کے ہندوستان کے سفر کے بعد پرتگال کی تجارتی کمپنیاں مشرقی ممالک میں سرگرم عمل ہو گئیں۔ ڈاکٹر الجبری نے مشرق کے متعلق مغربی لوگوں کے لوٹ کھسوٹ اور ظلم وستم کے رویے کے بارے میں سدنی لو (Sidney James Mark low، 1857ء - 1932ء) کے حوالے سے لکھا ہے کہ مغرب کی عیسائی حکومتیں کئی سالوں سے امم شرقیہ کے ساتھ جو سلوک کر رہی ہیں، اس کی بنا پر یہ چوروں کے اس گروہ سے مشابہت رکھتی ہیں، جو پرسکون آبادیوں میں داخل ہوتے، ان کے مزدور مکینوں کو قتل کرتے اور ان کا مال اسباب لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ یہ حکومتیں آگے بڑھنے کی تگ ودو میں مصروف اقوام کے حقوق پامال کر رہی ہیں۔ یہ عیسائی قومیں اہل مشرق پر کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہر قسم کی خوبیوں سے اس طرح تہی دامن ہو گئی ہیں کہ زمانہ قدیم کے ظالم ترین لشکروں میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔ بہت سے مستشرقین روزی کمانے کے لیے تحریک استشراق میں شامل ہو گئے۔ بہت سے فضلا اس کو ایک کامیاب پیشے کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ بہت سے ناشرین اس بنا پر کہ ان کی کتابوں کی، جو مشرقیات و اسلامیات پر لکھی جاتی ہیں، یورپ اور ایشیاء میں بڑی منڈی ہے، اس کام کی ہمت افزائی اور سرپرستی کرتے ہیں، اور بڑی سرعت کے ساتھ یورپ اور امریکا میں ان موضوعات پر کتابیں شائع ہوتی ہیں، جو بہت بڑی مالی منفعت اور کاروبار کی ترقی کا ذریعہ ہیں۔[26]

[26] Abō al-ḥassan a'lī nidwī, muslim mumālik main islāmiyat aur maghrib kī kashmakash, 130

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کے مطابق اہل مغرب نے مسلمانوں کے ساتھ تجارتی معاملات کا سلسلہ شروع کیا۔ مسلمان ملکوں نے ان کی مصنوعات کو قبول کیا، اور انہوں نے مسلمانوں کے قدرتی خام مال کی قیمتیں دینا شروع کیں، جس کی وجہ سے مقامی صنعت و حرفت کے مراکز ختم ہوئے اور ان کی جگہ مغرب کے فولادی کارخانے قائم ہونے لگے۔ [27]

اہل مغرب نے مسلمانوں کے ساتھ تجارتی معاملات شروع کی، جس سے مقامی صنعتی اور حرفتی مراکز ختم ہوئے اور مغربی فولادی کارخانے قائم ہوئے۔

8۔ علمی و تحقیقی اہداف

تحریک استشراق کے علمی مقاصد میں یونی ورسٹیوں میں علوم شرقیہ کی تعلیم، دنیا کے طول و عرض میں مدارس کا قیام، مخطوطات جمع کرنا، مختلف کتابوں کی تحقیق، کتابوں کو شائع کرنا، عربی کتابوں کے مختلف زبانوں میں ترجے کرنا اور مختلف موضوعات پر کتابیں تالیف کرنا شامل ہیں۔ لیکن ان تمام علمی کاوشوں کے پیچھے خدمت علم کے جذبے سے کہیں زیادہ اسلام اور مسلمانوں سے مقابلہ مقصود نظر آتا ہے۔ بلاشبہ مستشرقین میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جنھوں نے صرف علم کے حصول اور خدمت علم کے جذبے سے اپنی زندگیاں تحقیق کے خارزار میں گزار دیں، انتہائی دماغ سوزی، دیدہ ریزی اور جفاکشی سے کام لیا، جس کی داد نہ دینا اخلاقی کوتاہی اور علمی ناانصافی ہے۔ انہی کی کوششوں سے بہت سے مشرقی و اسلامی علمی جواہرات و نوادر پردہ خفا سے نکل کر منظر عام اور جاہل وارثوں اور ظالم کیڑوں کی دست برد سے محفوظ ہوگئے۔ متعدد اعلیٰ اسلامی ماخذ و تاریخی وثائق ہیں، جو ان کی محنت و ہمت سے پہلی مرتبہ شائع ہوئے اور مشرق کے اہل علم نے ان سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا۔ اس علمی اعتراف کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ مستشرقین نے بالعموم اسلامی علوم کے وسیع مطالعے سے حقیقی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نتائج ہمیشہ مقاصد کے تابع ہوتے ہیں، اور مستشرقین کا کام چوں کہ اپنے مخصوص مقاصد کے تحت عام طور پر کمزوریوں کو تلاش کرنا اور ان کو چمکانا ہوتا ہے، اس لیے صفائی کے ایک انسپکٹر کی طرح ان کو گلزار و جنت نشاں شہر میں صرف غیر صحت مند مقامات ہی نظر آتے ہیں۔ [28]

خلاصۃ البحث

معاصر استشراقی جدوجہد کا مقصد دین اسلام کو باطل دین ثابت کرنا اور مسلمانوں کو دین مسیحیت کی طرف راغب کرنا ہے۔ روڈی پارٹ کا یہ کہنا کہ وسطی عصر میں کچھ عیسائی علماء کو لگا کہ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے ہو سکتا ہے کہ اسلام کے دینی اصول اور پیغمبر کی شخصیت مسیحیت کے موازنہ میں غیر قابل قبول ہوں۔ یعنی ان کا خیال تھا کہ جو دین اسلام میں ہے، وہ مسیحیت کے عقائد کے مخالف ہیں اور اس لیے انہیں اسلام کا مطالعہ اپنے عقیدے کی خلاف ورزی تصور ہو سکتی تھی۔ روڈی پارٹ کا خیال تھا کہ جو دین اسلام میں ہے، وہ مسیحیت کے عقائد کے مخالف ہیں اور اس لیے انہیں اسلام کا مطالعہ اپنے عقیدے کی خلاف ورزی تصور ہو سکتی تھی۔ استشراقیوں کا یہ بھی مقصد تھا کہ مسلمانوں کے رویے کو غربی معیار اور روایات کے مطابق تبدیل کیا جائے۔ انہوں نے مسلمانوں کی سوچ و رویے میں تبدیلی لانے کی کوشش کی تاکہ وہ غربی ثقافت اور ان کے اصولوں کو اپنا سکیں۔ تحریک استشراق کے علمی مقاصد میں علوم شرقیہ کی تعلیم، مدارس کا قیام، مخطوطات کی جمع، کتابوں کی تحقیق، ترجمے، اور تالیف شامل ہیں۔ مستشرقین کی کوششوں میں اخلاق

---

[27] Al-sabā'ī, al-mustashriqōn wa al-islām, 34-35

[28] Abō al-ḥassan a'lī nidwī, muslim mumālik main islāmiyat aur maghrib kī kashmakash, 136

اور علمی ناانصافی بھی مشاہدہ کی جاتی ہے، جس سے اصلی علمی جواہرات آمنے سامنے نہیں آسکے یہی وجہ سے ان کا مقصد مسلمانوں سے مقابلہ نظر آتا ہے۔ تحریک استشراق کے اسباب و محرکات کی طرف دیکھتے ہوئے، طبعی محرکات بہت اہم ہیں۔ ہر انسان کی فطرت میں دیگر اقوام کے مذاہب، افکار، معاشرت، اور اقتصادیات کے بارے میں جاننے کی خواہش موجود ہوتی ہے۔ اسی فطری خواہش نے تحریک استشراق کو ایک اہم محرک فراہم کیا، جس نے اہل مغرب کو مشرق کی تہذیب، علوم، اور فنون کے بارے میں جاننے کی طرف مائل کیا۔ استشراق کا علمی مقصد نہایت مرکوز اور متفرق ہونے کے باوجود، یہ فطری خواہش اس موضوع کی بنیاد رکھتی ہے کہ مغربی علماء کو مشرق کے علومی و فکری وارثیت سے آگاہ ہونے کا موقع ملے۔ دینی محرکات بھی تحریک استشراق کے طرف سے اہم تھے۔ عیسائی چرچ اور اس کے متولیوں نے اسلام کا چہرہ مسخ کرنے اور اس سے متعلق حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے لیے مشرقی علوم و فنون کی طرف توجہ دی۔ انہیں اسلام کی طرف رغبت کو روکنا اور مسلمانوں کو عیسائی بنانا بھی شامل تھا۔ انیسویں صدی میں استعمار کی محرکات کی بات کی جاتی ہے جب غربی ممالک نے مشرقی علاقوں پر اپنا قبضہ جمالیا۔ اسلامی مغربی استعمار کا بھی ہونا اس دور کی اہم حقیقت ہے۔ حاکم قوتوں نے مشرق کے غلام قوم کو خود کے غلبہ کے لیے مواد فکری اور زبانیں جاننے کی کوششیں کیں تاکہ وہ اندازہ لگا سکیں کہ ان کو کس طرح بہتر خدمات فراہم کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ علمی محرکات بھی تحریک استشراق کے مقصد کو متاثر کرتے رہے۔ ایک جماعت مستشرقین نے اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے مشرقی علوم کی طرف رجوع کیا۔ ان کی تحقیقات مخلصانہ تھی، لیکن نتائج میں کبھی کبھار ٹھوکریں کھائیں۔ اس کی وجوہات میں عربی زبان کا رسوخ نہ ہونا یا مغربی معاشروں میں اسلام کے بارے میں رائج عام تصورات کا اثر شامل ہے۔